مسلمانوں کے لیے مشن

"بلغاروی ترک بڑی تعداد میں مسیحیت کی طرف آرہے ہیں۔"

یہ بیان تنظیم "فرینڈز آف ٹرکی" [احبابِ ترکی] کے امریکی ڈائریکٹر سٹیو ھیگرمین نے دیا ہے۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ ۱۹۹۲ء کے آغاز سے اب تک بارہ سو سے زائد لوگوں نے مسیحیت قبول کی ہے۔ جریدہ Pulse [پلس] کے مطابق ھیگرمین نے کہا کہ "ہم نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں فلم کی ایک سو سے زائد کاپیاں بلغاریہ بھیجی ہیں اور ہم نے روسی رسم الخط میں یوحنا کے ۶۴ ہزار نسخے چھاپنے اور بلغاریہ بھیجنے میں بھی مدد دی ہے۔"

تنظیم "فرینڈز آف ٹرکی" کا صدر دفتر امریکہ میں ہے۔ اس کا واحد مقصد ترک مسلمانوں کو مسیحی بنانا ہے۔ اس منصوبے میں متعدد مسیحی گروہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ "فرینڈز آف ٹرکی" کے ذریعے ۲۰ سے زیادہ قوموں کے مسیحی، "ترک لوگوں" کو عیسائی بنانے کے لیے اپنی کوششیں مجتمع کر رہے ہیں۔ امریکہ کے علاوہ یہ تنظیم اب کینیڈا، جرمنی، ہالینڈ، انڈیا، پرتگال، سویڈن، سوئٹزرلینڈ اور برطانیہ میں بھی کام کرتی ہے۔ (بہ شکریہ "فوکس" - لیسٹر، دسمبر ۱۹۹۲ء)

مشرقِ وسطیٰ

فلسطین: "--- فلسطینیوں کے لیے اُن کے اپنے وطن میں زمین کا کوئی ٹکڑا باقی نہیں رہے گا۔"

[ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سرپرستی میں گزشتہ ایک سال سے "مشرقِ وسطیٰ امن مذاکرات" جاری ہیں۔ اِس موقع پر فلسطین کے مسیحی کلیساؤں کے ایک وفد نے امریکہ کا دورہ کیا تاکہ امریکی عوام کو اُن کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جائے کہ امریکی امداد حاصل کرتے ہوئے اسرائیلی حکام فلسطینیوں کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔ وفد کے ایک رکن ڈاکٹر مانوبل حسیان نے اوک لینڈ میں ایک اجتماع سے خطاب کیا۔ ۳۸ سالہ ڈاکٹر حسیان بیت لحم یونیورسٹی میں فیکلٹی آف آرٹس کے سربراہ ہیں۔ اُن

کے خطاب پر مبنی ایک رپورٹ The Washington Report on Middle East Affairs نے دسمبر ۱۹۹۲ء اور جنوری ۱۹۹۳ء کے مشترکہ شمارے میں شائع کی ہے۔ ذیل میں رپورٹ کے منتخب حصوں کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔مدیر]

ڈاکٹر حسیان نے اپنی گفتگو کا آغاز اعداد و شمار سے کیا۔ اُنہوں نے بتایا کہ "انتفاضہ کے آغاز سے اب تک ۱۰۵۰ فلسطینی مارے جا چکے ہیں، ان میں سے ۲۶۷ آٹھ سال سے کم عمر کے بچے ہیں۔ اٹھارہ ہزار فلسطینیوں کی ہڈیاں توڑ دی گئی ہیں۔ ایک لاکھ ۲۵ ہزار زخمی ہوئے ہیں، ایک لاکھ تیس ہزار زیتون کے درخت اکھاڑے جا چکے ہیں۔ ۱۹۶۷ء سے اب تک دو لاکھ فلسطینیوں کو کم از کم ایک بار جیل جانا پڑا ہے اور ۲۱۰۰ کو جلاوطن کیا جا چکا ہے۔ اس وقت ستر ہزار فلسطینی جیلوں میں ہیں جن میں سے اڑتالیس ہزار کو اُن کا جرم بتائے بغیر قید کیا ہوا ہے۔

انتفاضہ کے آغاز سے اب تک مغربی کنارے (West Bank) پر اٹھارہ اٹھارہ مہینوں تک اسکول بند رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ایک لاکھ چالیس ہزار طلبہ و طالبات کو تعلیم سے محروم کیا گیا ہے۔ چھ بڑی یونیورسٹیاں پانچ سال سے بند ہیں۔

۱۹۶۷ء سے بار بار کرفیو کے نفاذ نے فلسطینی معیشت کو تباہ کر دیا ہے۔ "مغربی کنارے" کی یونیورسٹیوں کے ۲۵ ہزار گریجویٹ جان اور تن کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے معمولی کام کرنے پر مجبور ہیں، تاہم انتفاضہ کا ایک حیرت انگیز مثبت پہلو ہے۔ انتفاضہ نے اُنہیں خود کفالت کا تصور دیا ہے۔ اگرچہ اسرائیلیوں نے اس کے جواب میں مزید لوگوں کو اُن کے گھر بار سے نکالا، ظلم و تشدّد کیا اور یہودیوں کے لیے مزید بستیاں تعمیر کیں تاہم انتفاضہ نے فلسطینیوں کو اپنے جمہوری ادارے منظم کرنے میں مدد دی ہے۔"

ڈاکٹر حسیان نے واضح کیا کہ "انتفاضہ ختم نہیں ہوسکتا۔ بین الاقوامی برادری کو فلسطینیوں کی خواہشات اور مصائب سے آگاہ ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر مشرقِ وسطیٰ میں امن قائم نہیں ہوسکتا"۔

"اس حقیقت کو تسلیم کر لینا اسرائیل کے مفاد میں ہے کہ جمہوری فلسطینی ریاست وجود میں آئے۔ اِس پر اُس کی سلامتی کا انحصار ہے۔ ہم اسرائیل اور عرب ریاستوں کے درمیان پُل کا کام دیں گے۔"

ڈاکٹر حسیان نے اپنے سامعین پر واضح کیا کہ "فلسطینی غزہ کی پٹی میں موجود کیمپوں کی زندگی بہتر بنانے کے لیے جدوجہد نہیں کر رہے بلکہ وہ ایک آزاد ریاست کے مقصد کی خاطر حق خود اختیاری کے لیے کوشاں ہیں۔ اُنہوں نے اقوام متحدہ کی قرارداد نمبر ۲۴۲ اور قرارداد نمبر ۳۳۸ کو "زمین برائے امن" کے لیے بطور بنیاد پیش کیا۔ تاہم انہوں نے واضح کیا کہ اسرائیلی وزیر اعظم رابین نے اپنی

تقریروں میں کبھی ان کا ذکر نہیں کیا۔ گیارہ ہزار بستیاں اب بھی بسائی جا رہی ہیں۔ اگر یہی رفتار جاری رہی تو جلد ہی "فلسطینیوں کے لیے اُن کے اپنے وطن میں زمین کا کوئی ٹکڑا باقی نہیں رہے گا۔"

پچاس فیصد سے زیادہ مسیحی آبادی ترکِ وطن کر گئی ہے۔

ایک طرف بیرونِ ملک سے نقلِ مکانی کر کے مسلسل آنے والے یہودیوں کی وجہ سے فلسطین کی مقامی مسیحی آبادی کی عددی قوت تحلیل ہوتی جا رہی ہے، دوسری طرف خود مسیحی آبادی اپنا وطن چھوڑتی جا رہی ہے۔ اس صورتِ حال میں فلسطین کے مسیحی دانش وروں کو تشویش ہے۔ اُن کی رائے میں مسیحیوں کا اپنا وطن چھوڑ کر بیرونِ ملک چلے جانا، ارض فلسطین کو اس کے اصل باشندوں سے خالی کرنے کے اسرائیلی مقاصد اور منصوبوں کی تکمیل کو آسان کرنے کے مترادف ہے۔

ریورنڈ ڈاکٹر قری الراہب نے ۱۰ مارچ ۱۹۹۳ء کو "مرکز برائے مطالعۂ ثقافت" (بیت لحم) کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فلسطین میں احیائے اسلام کی تحریک اور مسیحیوں کی نقلِ مکانی ساتھ ساتھ چل رہی ہیں۔ اُن کے تجزیے کے مطابق "مسلمان بھائی اسرائیلی ظلم و تشدد سے نبرد آزما ہونے کے لیے دین کی جانب رجوع کر رہے ہیں مگر مسیحی نفسیاتی اور سیاسی دباؤ سے فرار حاصل کرنے کے لیے ترکِ وطن کر رہے ہیں۔ "عرب - یہود تنازعے کا کوئی پُرامن حل سامنے نہ آنے کی وجہ ہی بنیادی سبب ہے کہ لوگ بلا اختلاف مذہب دوسرے ممالک کا رُخ کرتے ہیں۔

ریورنڈ ڈاکٹر الراہب بیت لحم کے لوتھرین بلیکل چرچ کے معروف رہنما ہیں۔ اُنھوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ایک لاکھ ۷۵ ہزار فلسطینی مسیحی اپنے وطن سے باہر مقیم ہیں۔ فلسطینی آبادی جو اسرائیل کے ظلم و تشدد اور بے انصافی کے باوجود اپنے وطن میں ابھی تک زندگی گزار رہی ہے اس میں مسیحی، آبادی کا صرف ۲٫۲ فیصد ہیں۔ فلسطین کی مسیحی آبادی ایک لاکھ ۴۵ ہزار ہے۔ اس میں سے، ڈاکٹر راہب کے اندازے کے مطابق، تیس ہزار بیت لحم کے علاقے میں آباد ہے، تیرہ ہزار شہر بیت لحم میں رہ رہی ہے۔ فلسطینیوں کی زمین اور جائدادیں قرق کر کے روس سے آنے والے یہودیوں کے لیے نئی بستیاں بسائی جا رہی ہیں اور یہ صورتِ حال ازحد خطرناک ہے۔

اجلاس کے ایک دوسرے مقرر بیت لحم یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر عدنان مسالم نے ڈاکٹر الراہب کے خیالات کی تائید کی۔ اُنھوں نے تاریخی پس منظر میں فلسطین سے مسیحی آبادی کے انتقال اور انخلاء پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ یہ لوگ ہنر پیشہ ہیں۔ ان میں تعلیم یافتہ لوگ شامل ہیں جو باہر جا کر تعلیمی اداروں میں کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر عدنان مسالم نے، اس امر پر زور دیا کہ مسلم اور مسیحی فلسطینیوں کا مستقبل باہم مربوط ہے۔ اُن کے درمیان نسلی اور ثقافتی رشتے ہیں اور مسیحی فلسطینیوں کو ترکِ وطن